PERSIAN NOTES FOR 1st YEAR CLASS (PUNJAB)

درس بیست و سوم

تئیسواں سبق

محاورہ بین خدا و انسان

(خدا اور انسان کے درمیان گفتگو)

شاعر: علامہ محمد اقبالؒ

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
جہان را	دنیا کو	نغمہ زن	نغمے الاپنے والا
آب و گل	پانی اور مٹی	شب	رات
آفریدم	میں نے پیدا کیا	سفال	مٹی
ایران و تاتار	ملکوں کے نام	ایاغ	پیالہ
زنگ	افریقہ، حبشہ	کوھسار	پہاڑی سلسلہ
پولاد ناب	خالص فولاد	راغ	سبزہ زار
تفنگ	بندوق	خیابان	کیاری
آفریدی	تو نے پیدا کی	گل زار	پھولوں کا باغ
چمن	باغ	تبر	کلہاڑا
نہال	پودا۔ درخت	سنگ	پتھر
ساختی	تو نے بنایا	سازم	میں بناتا ہوں
طائر	پرندہ	نوشینہ	پینے والی چیز؛ تریاق

پہلا بند (خدا)

جہان را ز یک آب و گل آفریدم — تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی
من از خاک پولاد ناب آفریدم — تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی
تبر آفریدی نہال چمن را
قفس ساختی طائر نغمہ زن را

ترجمہ:

میں نے دنیا کو ایک ہی پانی اور مٹی سے پیدا کیا۔ تو نے ایران، تاتار اور حبشہ بنالئے۔ میں نے مٹی سے خالص فولاد پیدا کیا۔ تو نے اس سے تلوار، تیر اور بندوق بنالی۔ تم نے چمن کے پودے کاٹنے کیلئے کلہاڑا بنایا۔ چہچہانے والے پرندوں کیلئے تو نے پنجرہ بنایا۔

تشریح:

نظم کے اس بند میں خداوند تعالی نے انسان سے مخاطب ہو کر اس پر اپنے کچھ احسانات جتائے ہیں اور پھر انسان کی تخریبی قوتوں کا ذکر کیا ہے۔ خداوند تعالی نے انسان کو ایک مٹی اور پانی سے بنایا یعنی سب کو برابر بنایا مگر انسان نے اپنے لئے قومیں بنالیں اور جغرافیائی سرحدیں قائم کرلیں۔ کوئی ایرانی کہلانے لگا تو کوئی تاتاری۔ اس طرح انسان مختلف گروہوں میں تقسیم ہو کر رہ گئے۔ خداوند تعالی نے انسان کی بھلائی اور فائدے کیلئے خالص فولاد پیدا کیا مگر انسان نے اس کا بھی غلط استعمال کرتے ہوئے۔ اس سے جنگی ہتھیار تلوار، بندوق اور تیر وغیرہ بنالئے۔ چمن

کے درخت اور پودے کاٹنے کے لیے کلہاڑی بنائی۔ چہچہاتے پرندوں کو قید کرنے کیلئے پنجرے بنائے۔ یعنی انسان نے خداوند تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو بہتر طریقے سے استعمال نہ کیا۔

دوسرا بند (انسان)

تو شب آفریدی چراغ آفریدم   سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی   خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

ترجمہ:

تو نے رات بنائی میں نے چراغ بنایا۔ تو نے مٹی پیدا کی میں نے پیالہ بنایا۔ تو نے بیابان، پہاڑ اور سبزہ زار بنائے میں نے کیاری، گلزار اور باغ بنائے۔ میں وہ ہوں جو پتھر سے آئینہ بناتا ہے۔ میں وہ ہوں جو زہر سے تریاق بناتا ہے۔

تشریح:

اس نظم کے پہلے بند میں خداوند تعالیٰ نے انسان کے تخریبی کاموں کو بیان کیا۔ اس بند میں انسان اپنے تعمیری کاموں کا ذکر کرتے ہوئے خدا سے کہتا ہے کہ تو نے رات بنائی لیکن میں نے چراغ بنا کر اس کی تاریکی ختم کی۔ تم نے مٹی بنائی جس کا ظاہری طور پر کوئی فائدہ نہ تھا مگر میں نے اس سے کام آنے والی مفید چیز یعنی پیالہ یا جام بنایا۔ تم نے پہاڑ، بیابان اور دشت بنائے مگر میں نے ان کے حسن میں ترتیب پیدا کرنے کیلئے کیاریاں، باغ اور گلزار بنائے۔ اس طرح میں نے اپنی عقل سے پتھر کو آئینے میں تبدیل کیا اور زہر سے تریاق بنائے جیسے کچلا اور سانپ کا زہر مختلف دواؤں میں استعمال ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے اس بند میں یہ ثابت کیا ہے کہ انسان صرف تخریبی کام نہیں کرتا بلکہ تعمیری کام بھی انجام دیتا ہے۔

☆☆☆

تنہائی

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
بحر	سمندر	خزید	رینگا، چھپا
لولو	موتی	نفس در کشید	سانس روک لی
لالا	درخشاں	بریدم	میں نے کاٹا
تپید	تڑپی	پرتو	عکس، سایہ
رمید	دوڑی	فروغ	چمک دمک
ہیچ نگفت	کچھ بھی نہ کہا	یزدان	خدا
سنگ	پتھر	درخور	قابل، لائق

پہلا بند

بہ بحر رفتم و گفتم بہ موج بیتابی: "ہمیشہ در طلب استی چہ مشکلی داری؟
ہزار لولو لالاست در گریبانت   درون سینہ چو من گوہر دلی داری؟"
تپید و از لب ساحل رمید و ہیچ نگفت

ترجمہ:

میں سمندر پر گیا اور میں نے ایک بیتاب موج سے کہا تو ہمیشہ تلاش میں رہتی ہے تمہارا مسئلہ کیا ہے۔ ہزاروں چمکدار موتی تیرے گریبان میں ہیں کیا اپنے سینے کے اندر تو میری طرح دل کا موتی رکھتی ہے؟ وہ (موج) تڑپی اور ساحل کے کنارے سے دوڑی اور کچھ نہ کہا۔

تشریح:

اس نظم کے پہلے بند میں علامہ اقبال یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو دل انسان کو دیا ہے وہ اپنی مخلوق میں کسی اور کو نہیں دیا۔ شاعر سمندر پر جا کر بیتاب موج سے پوچھتا ہے کہ تمہیں کیا مسئلہ درپیش ہے۔ تم کیوں اتنا بے چین رہتی ہو۔ تمہارے پاس بہت زیادہ درخشاں موتی ہیں مگر کیا تمہارے پاس میری طرح دل کا موتی بھی ہے؟ لہٰذا اس سوال کا جواب نہیں دے پاتی وہ تڑپتی ہے اور ساحل کے کنارے سے دور چلی جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے پاس انسان جیسا دل نہیں ہے۔

دوسرا بند

بہ کوہ رفتم و پرسیدم: "این چہ بی دردی است؟ رسد بہ گوش تو آہ و فغان غمزدہ ای؟
اگر بہ سنگ تو لعلی ز قطرہ خون است یکی در آبہ سخن با من ستمزدہ ای"
بہ خود خزید و نفس درکشید و ہیچ نگفت

ترجمہ:

میں پہاڑ پر گیا اور میں نے پوچھا: یہ کیا سنگدلی ہے؟ تیرے کانوں تک ایک غمزدہ کی فریاد پہنچتی ہے۔ اگر تیرے پتھر میں لعل خون کے قطرے سے ہے تو ایک بار مجھ مظلوم کے ساتھ بات کر۔ وہ اپنے آپ میں چھپا اور اس نے سانس روک لی اور کچھ نہ کہا۔

تشریح:

اس بند میں شاعر ایک پہاڑ سے ہم کلام ہو کر اپنی گفتگو سے یہ ثابت کرتا ہے کہ پہاڑ کے پاس بھی انسان جیسا دل نہیں ہے۔ وہ پہاڑ پر جا کر اس سے کہتا ہے کہ غمزدہ شخص کی آہیں اور فریاد تجھ تک پہنچتی ہیں۔ مگر تم خاموش اور بے حرکت رہتے ہو۔ تمہارے پتھروں میں خون کے قطرے جیسے سرخ لعل تو موجود ہیں۔ خون کے قطرے سے مراد شاعر نے دل لیا ہے۔ یعنی تمہارے پاس دل جیسے سرخ لعل تو موجود ہیں۔ اگر تمہارے سینے میں واقعی دل ہے تو مجھ مظلوم سے بات کر۔ اس پر پہاڑ نے سانس روک لی اور کوئی جواب نہ دیا۔ یعنی پہاڑ کے پاس بھی انسان جیسا دل موجود نہ تھا۔

تیسرا بند

رہ دراز بریدم ز ماہ پرسیدم: "سفر نصیب النصیب تو منزل است کہ نیست؟
جہان ز پرتو سیمای تو سمن زاری فروغ داغ تو از جلوہ دلی است کہ نیست؟
سوی ستارہ رقیبانہ دید و ہیچ نگفت

ترجمہ:

میں نے لمبا راستہ کاٹا اور چاند سے پوچھا: اے ہمیشہ سفر کرنے والے! تمہارے نصیب میں منزل بھی ہے یا نہیں؟ تمہاری پیشانی کے سائے سے دنیا چنبیلی کا باغ بن گئی ہے تیرے داغ کی چمک دل کے جلوے سے ہے یا نہیں؟ اس نے ستارے کی طرف رقیبانہ نظروں سے دیکھا اور کچھ نہ کہا۔

تشریح:

شاعر اس بند میں اپنے تخیل میں آسمان پر پہنچ کر چاند سے محو گفتگو ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اے ہمیشہ سفر کرنے والے (چاند) کیا تمہاری کوئی منزل بھی ہے یا ہمیشہ سفر کرنا تمہارے نصیب میں لکھا ہے۔ تمہاری چاندنی سے ساری دنیا اس طرح منور ہو جاتی ہے جیسے ہر طرف چنبیلی کے

پھول کھلے ہوں۔کیا تمہاری یہ چمک یہ چاندنی تمہارے دل کی وجہ سے ہے؟اس پر چاند نے رقیبانہ نظروں سے ستارے کو دیکھا اور کچھ بھی نہ کہا۔ یعنی چاند کے پاس بھی دل نہیں ہے اگر اس کے پاس دل ہوتا تو وہ ضرور جواب دیتا۔

چوتھا بند

شدم بہ حضرت یزدان، گذشتم از مہ و مہر — کہ: "در جہان تو یک ذرہ آشنایم نیست
جہان تہی ز دل و مشت خاک من ہمہ دل — چمن خوش است ولی در خور نوایم نیست
تبسمی بہ لب او رسید و ہیچ نگفت

ترجمہ:

چاند اور سورج سے گزر کر میں خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ میں نے کہا: تیری دنیا میں ایک ذرہ بھی میرا آشنا نہیں ہے۔ تیرا جہان دل سے خالی ہے اور میری مٹھی بھر خاک ساری دل ہے۔ باغ اچھا ہے لیکن میری نوا کے لائق نہیں ہے۔اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی اور اس نے کچھ نہ کہا۔

تشریح:

شاعر اپنے تخیل میں چاند اور سورج سے گزر کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوتا ہے اور اس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے تیری دنیا میں ایک ذرہ بھی مجھ سے آشنا نہیں کیونکہ ان کے پاس انسان جیسا دل نہیں ہے جب کہ انسان کی مٹھی بھر مٹی سراپائے دل ہے۔ یہ باغ (یعنی دنیا) اچھا ہے لیکن میری نوا کے قابل نہیں۔ میری نوا کو تو کوئی اہل دل سمجھ سکتا ہے جب ان کے پاس دل نہیں تو وہ میری بات کیا سمجھیں گے۔اس بات پر خدا مسکرانے لگا اور کوئی بات نہیں کی۔

☆☆☆

تمرین کا حل

(۱)

سوال۱: خدا نے انسان سے کیا کہا؟

جواب: خدا نے انسان سے مخاطب ہو کر اس پر اپنے احسانات جتائے اور پھر انسان کی تخریبی قوتوں کا ذکر کیا۔خدا نے کہا کہ میں نے انسان کو ایک مٹی اور پانی سے بنایا یعنی سب کو برابر بنایا مگر انسان نے اپنے لئے قومیں بنالیں اور جغرافیائی سرحدیں قائم کر لیں۔کوئی ایرانی کہلانے لگا کوئی تاتاری۔خدا تعالیٰ نے انسان کی بھلائی اور فائدے کیلئے خالص فولاد پیدا کیا مگر انسان نے اس کا بھی غلط استعمال کرتے ہوئے اس سے جنگی ہتھیار تلوار، بندوق اور تیر وغیرہ بنا لئے۔ چمن کے درخت اور پودے کاٹنے کیلئے کلہاڑی بنائی۔ چہچہاتے پرندوں کو قید کرنے کیلئے پنجرے بنائے۔ان ساری مثالوں سے خدا نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ انسان نے نعمتوں کو بہتر طریقے سے استعمال نہیں کیا۔

سوال۲: انسان نے کیا جواب دیا؟

جواب: انسان نے اپنے اچھے اور مفید کاموں کا ذکر کرتے ہوئے خدا سے کہا کہ تم نے رات بنائی، میں نے چراغ بنایا۔تم نے مٹی پیدا کی، میں نے اس سے پیالہ بنایا۔تم نے پہاڑ بیابان اور دشت بنائے مگر میں نے ان کے حسن میں ترتیب اور نظم پیدا کرنے کیلئے کیاریاں، باغ اور گلزار بنائے۔ اس طرح میں نے اپنی عقل سے پتھر کو آئینے میں تبدیل کیا اور زہر سے تریاق بنایا جیسے کچلا اور سانپ کا زہر مختلف دواؤں میں استعمال ہوتا ہے۔

سوال۳: اس مکالمہ کا مرکزی خیال کیا ہے؟

جواب: اس مکالمے کا مرکزی خیال یہ ہے کہ انسان نے صرف تخریبی کام نہیں کئے بلکہ تعمیری کام بھی کئے ہیں اور کائنات کو خوبصورت بنایا ہے۔

سوال۴: نظم ''تنہائی'' میں شاعر نے پہاڑ اور چاند سے کیا کہا ہے؟

جواب: نظم ''تنہائی'' میں شاعر نے پہاڑ سے کہا ہے غمزدہ شخص کی آہیں اور فریاد تجھ تک پہنچتی ہیں مگر تم خاموش اور بے حرکت رہتے ہو۔ تمہارے پتھروں میں خون کے قطرے جیسے لعل تو موجود ہیں اگر تمہارے سینے میں واقعی دل ہے تو مجھ مظلوم سے بات کر۔ اسی طرح شاعر نے چاند سے مخاطب ہو کر اسے کہا ہے کہ اے ہمیشہ سفر کرنے والے تمہارے نصیب میں منزل بھی ہے یا نہیں۔ تمہاری پیشانی کے سائے سے دنیا چنبیلی کا باغ بن گئی ہے۔ تیرے داغ کی چمک دل کے جلوے سے ہے یا نہیں۔ مگر یہ دونوں جواب میں چپ رہے کیونکہ ان کے پاس انسان کی طرح دل نہ تھا۔

سوال۵: اس نظم میں شاعر نے کیا کہنا چاہا ہے؟

جواب: نظم ''تنہائی'' میں شاعر علامہ اقبال نے یہ کہنا چاہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دل انسان کو دیا ہے وہ دنیا میں کسی اور چیز کو نہیں دیا۔ صرف انسان ہی دل کی دولت سے مالا مال ہے جبکہ باقی کائنات میں یہ احساس یا جذبہ موجود نہیں ہے۔ یہی احساس اور جذبہ ہی انسان کے دوسری مخلوقات پر افضل ہونے کا باعث بنا ہے۔

☆☆☆

(۲)

سوال۱: ضمائر متصل سے منفصل اور منفصل سے متصل بنائیے:

گریبانت۔ گوشِ تو۔ آشنایم۔ سنگِ تو۔ نوایم

جواب:

گریبانت (تیرا گریبان)	گریبانِ تو (تیرا گریبان)
گوشِ تو (تیرا کان)	گوشت (تیرا کان)
آشنایم (میرا واقف)	آشنای من (میرا واقف)
سنگِ تو (تیرا پتھر)	سنگت (تیرا پتھر)
نوایم (میری نوا)	نوای من (میری نوا)

سوال۲: مندرجہ ذیل مرکب کون کون سے ہیں؟

پولادناب۔ نہال چمن۔ طائر نغمہ زن۔ لولوی لالا۔ لب ساحل

جواب:

پولادِ ناب (خالص فولاد)	مرکب توصیفی
نہالِ چمن (باغ کا پودا)	مرکب اضافی
طائرِ نغمہ زن (گیت گانے والا پرندہ)	مرکب توصیفی
لولوی لالا (چمکدار موتی)	مرکب توصیفی
لبِ ساحل	مرکب اضافی

سوال۳: علامہ اقبال کی فارسی شاعری کے بارے میں اپنی رائے تحریر کیجئے۔

جواب: **علامہ اقبالؒ**

علامہ اقبالؒ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ شہر میں پیدا ہوئے ان کے اجداد کشمیری برہمن تھے جو تقریباً دو اڑھائی سو سال پہلے مسلمان ہوئے تھے اور کچھ عرصہ بعد نقل مکانی کر کے پنجاب کے شہر سیالکوٹ میں آ بسے تھے۔ علامہ اقبال کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا وہ صوم وصلوٰة کے پابند

www.downloadclassnotes.com

ایک نہایت دیانت دار انسان تھے۔ وہ ٹوپیاں سیتے تھے اور ''شیخ ٹوپیاں والا'' کے نام سے معروف تھے۔

علامہ اقبالؒ کو چھ برس کی عمر میں گھر سے نزدیک مسجد حکیم حسام الدین میں قرآن پاک پڑھنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ مولوی میر حسن مسجد کے پاس ہی ایک کمرے میں بچوں کو پڑھاتے تھے۔ انہوں نے مسجد میں اقبال کو پڑھتے دیکھا تو ان کے چہرے پر ذہانت کے آثار دیکھ کر انہیں اپنے ہاں لے گئے۔ اس طرح مولوی میر حسن سے اقبال کی استادی شاگردی کا رشتہ قائم ہوا جو آخری عمر تک قائم رہا۔

علامہ اقبالؒ نے سکاچ مشن سکول سیالکوٹ سے ۱۸۹۳ء میں میٹرک کیا اور وہیں سے ہی ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ آپ نے ۱۸۹۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور یہیں سے فلسفہ میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد آپ اعلیٰ تعلیم کیلئے انگلستان اور جرمنی گئے۔ آپ نے جرمنی سے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور لندن سے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کر کے وطن واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ اورینٹل کالج لاہور اور گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھایا۔

آپ نے اپنی عمر کا باقی حصہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی بیداری اور ان کی خدمت کیلئے وقف کر دیا۔ ۶۵ برس کی عمر میں ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو وفات پا گئے۔ آپ کو شاہی مسجد کی سیڑھیوں کے ساتھ حضوری باغ میں دفن کیا گیا جہاں آپ کا مقبرہ آج بھی موجود ہے۔

علامہ اقبال کی فارسی شاعری:

علامہ اقبال کی فارسی شاعری سات مجموعوں پر مشتمل ہے، جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ اسرارِ خودی ۲۔ رموزِ بے خودی۔ ۳۔ پیامِ مشرق ۴۔ زبورِ عجم

۵۔ جاوید نامہ ۶۔ مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق ۷۔ ارمغانِ حجاز (نصف)

علامہ اقبال ایک فلسفی بھی تھے اور شاعر بھی۔ انہوں نے اپنے فارسی کلام کے ذریعے مسلسل عمل اور پیہم جدوجہد کا فلسفہ پیش کیا ہے۔ ان کے فارسی کلام کی شعری خوبیاں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حسن بیان:

علامہ اقبالؒ اپنے کلام کے ذریعے برصغیر کے مسلمانوں کو بیدار کرنا چاہتے تھے۔ معمولاً مصلحانہ اور ناصحانہ شاعری میں شاعری کا حسن بیان دب جاتا ہے مگر علامہ اقبال کی شاعری میں ایسا دکھائی نہیں دیتا۔ ان کے کلام میں تازہ اور نادر تشبیہات ہیں۔ استعاروں کا فراوان استعمال ہے۔ فطرت اپنے تمام حسن کے ساتھ جلوہ افروز ہے۔ اشارے، کنائے اور رمزیں جا بجا ہیں۔ ان کے کلام میں ان سب باتوں کے ساتھ جذبے کی سچائی، شدت اور اعلیٰ شعری ذوق نمایاں ہے۔

۲۔ موسیقیت:

علامہ اقبالؒ کو موسیقی سے بہت لگاؤ تھا۔ اسی لیے انہوں نے اپنی غزلوں اور نظموں میں ایسی بحریں استعمال کی ہیں کہ ان میں ایک نغمگی اور موسیقیت پائی جاتی ہے۔ الفاظ کے انتخاب اور ان کی بندش میں ترنم ہے۔ وہ بعض جگہوں پر لفظوں کے تکرار کے ذریعے موسیقیت ایجاد کرتے ہیں۔

۳۔ مناظر فطرت:

مناظر فطرت اور انسان کے درمیان ایک گہرا ربط پایا جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے اس رشتے کو ایک نیا رنگ اور معنویت دی ہے۔ ان کے بقول مناظرہ فطرت کے مشاہدے سے انسان پر کائنات کے حقائق کھلتے ہیں۔ ان سے عمل کی ترغیب ملتی ہے۔ اس لیے ان کے کلام میں کہیں لالہ کے پھولوں کا ذکر ہے تو کہیں شبنم کے موتیوں کا، کہیں چمکتے ریت کے ذروں کا ذکر ہے تو کہیں بلبل اور پرندوں کا چہچہانا ہے۔

۴۔ حسنِ تغزل:

علامہ اقبالؒ کے کلام میں حسن تغزل کا رنگ نمایاں ہے۔ نزاکت و نفاست، حسن و عشق، رمز و ایما اور سوز و گداز تغزل کے نمایاں عنصر ہیں۔ یہ سارے عناصر اقبال کے کلام میں موجود ہیں۔ ان کی غزلوں میں یہ تمام صفات بدرجہ اتم موجود ہیں بلکہ ان کی نظمیں بھی ان عناصر سے خالی

نہیں۔ حسنِ تغزل نے ان کے کلام کو نہایت دلکش اور دلآویز بنا دیا ہے۔

۵۔ ڈرامائی عناصر:

علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام کو موثر بنانے کیلئے ڈرامائی عناصر استعمال کیے ہیں مثلاً کہیں انسان خدا سے مخاطب ہے، کہیں عقل دل سے محو گفتگو ہے اور کہیں پرندہ انسان سے بات کر رہا ہے۔ بعض جگہوں پر خود کلامی کا انداز بھی اپنایا گیا ہے۔ ڈرامائی عناصر کی وجہ سے علامہ اقبال کا کلام دلچسپ اور موثر ہو گیا ہے۔

۶۔ طنز و مزاح:

علامہ اقبالؒ کے کلام میں جہاں سوز و گداز اور سنجیدہ فلسفیانہ حقائق پائے جاتے ہیں وہاں ان کے کلام میں طنز و مزاح کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ مگر ان کی ظرافت اور شوخی میں بھی اصلاح کا پہلو سامنے آتا ہے۔ بانگ درا کے آخر میں باقاعدہ ظریفانہ کلام موجود ہے۔

معروضی سوالات

1: کثیر الانتخابی سوالات (Multiple Choice Questions)

☆ ہر سوال کے نیچے چار ممکنہ جواب دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے صرف ایک جواب درست ہے۔ درست جواب پر نشان (✓) لگائیے:

1- ☆ علامہ محمد اقبالؒ نے ایف اے تک تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

(الف) کراچی (ب) لاہور (ج) سیالکوٹ ✓ (د) راولپنڈی

2- ☆ علامہ اقبال کب پنجاب اسمبلی کے رکن بنے؟

(الف) 1930ء (ب) 1936ء ✓ (ج) 1932ء (د) 1934ء

3- ☆ علامہ اقبالؒ کس سال گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کے استاد مقرر ہوئے؟

(الف) 1905ء (ب) 1903ء (ج) 1908ء ✓ (د) 1906ء

4- ☆ علامہ اقبالؒ کس سال مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے؟

(الف) 1920ء (ب) 1924ء (ج) 1926ء (د) 1930ء ✓

5- ☆ علامہ اقبالؒ کس سال یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں فلسفے کے استاد متعین ہوئے؟

(الف) 1894ء (ب) 1896ء (ج) 1899ء ✓ (د) 1901ء

☆☆☆☆☆☆